خوف اور امید کا درمیانی راستہ

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

خوف اور امید کا درمیانی راستہ

(فرمودہ ۲۹ رمئی ۱۹۴۷ء بعد نماز مغرب)

ان ایام میں مسلمان ایک نہایت ہی نازک دَور میں سے گزر رہے ہیں اور ان کے اندر موجودہ حالات کی نزاکت کا اتنا احساس نہیں پایا جاتا جتنا کہ پایا جانا چاہیئے۔قرآن کریم کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن خوف اور رجاء کے درمیان درمیان ہوتا ہے نہ تو اس پر خوف ہی غالب آتا ہے اور نہ اس پر امید غالب آتی ہے بلکہ یہ دونوں حالتیں اس کے اندر بہ یک وقت پائی جانی ضروری ہیں جہاں اس کے اندر خوف کا پایا جانا ضروری ہے وہاں اس کے اندر امید کا پایا جانا بھی ضروری ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ نہ تو وہ خوف کی حدود کو پار کر جائے اور نہ امید کی حدود سے تجاوز کر جائے اور یہی وہ اصل مقام ہے جو ایمان کی علامت ہے یا خوش بختی کی علامت ہے اور اس میں مؤمن ہونے کی بھی شرط نہیں اگر کوئی مسلمان نہ بھی ہو اور وہ اس اصل پر عمل کرے اور وہ خوف و رجاء کے درمیانی راستہ پر قدم زن ہو تو یہ اس کی خوش بختی کی علامت ہوگی ورنہ وہ تباہی کا منہ دیکھے گا۔یہی خوف و رجاء کے الفاظ جو قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں بعینہٖ اسی قسم کے اور انہی معنوں میں انگریزی دان مدبرین نے بھی الفاظ چنے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ وہی انسان اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتا ہے جو نہ OPTIMIST ہو یعنی ہر چیز کو امید کی نگاہ سے دیکھنے والا ہو اور نہ PESSIMIST یعنی ہر چیز میں ناامیدی کا پہلو نکالنے والا ہو بلکہ ان دونوں کے درمیانی راستہ پر چلے۔اگر وہ ہر چیز کا روشن پہلو دیکھتا رہے گا اور بُرے پہلو کو نظر انداز کر دے گا تو وہ بھی ناکامی کا منہ دیکھے گا اور اگر وہ کُلّی طور پر ناامیدی کا پہلو دیکھتا رہے گا اور امید کے پہلو کو نظر انداز کر دے تو بھی اس کی یہ

حالت نقصان دِہ ہوگی صرف وہی شخص کامیاب ہوسکتا ہے جوان دونوں کا درمیانی راستہ اختیار کرے یہی تعریف قرآن کریم میں بھی مؤمن کی بیان ہوئی ہے کہ نہ تو وہ کُلّی طور پر خوف کی طرف اور نہ ہی کُلّی طور پر رجاء کی طرف جھک جاتا ہے بلکہ ان دونوں حالتوں کو اپنے اندر رکھتے ہوئے درمیانی راہ اختیار کرتا ہے۔

ان ایام میں ہم دیکھتے ہیں کہ چاہے مسلمان پنجاب اور بنگال میں اکثریت رکھتے ہیں مگر جب کبھی حقوق کا سوال اُٹھتا ہے یورپین قومیں دشمن کے حق میں اور ان کے خلاف رائے رکھتی ہیں اور انگلستان اور امریکہ وغیرہ سے بھی جو آواز اٹھتی ہے وہ عام طور پر مسلمانوں کے خلاف ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ انگلستان کے وہ اخبارات جو پہلے مسلمانوں کی تائید کیا کرتے تھے انہوں نے بھی اب تائید کرنی چھوڑ دی ہے اور پھر تائید میں لکھنا تو الگ بات ہے انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ گزشتہ فسادات کے دوران میں جب دشمن کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف غلط پروپیگنڈا کیا جارہا تھا اُن کا جواب دیتے لیکن جواب دینا تو درکنار جب کبھی ایسا مضمون نکلتا اور مسلمانوں کی طرف سے اس کا جواب بھیجا جاتا تو وہ اخبار اسے شائع نہیں کرتے رہے۔ گزشتہ ایام میں میں نے انگلستان میں اپنے مبلغین کو لکھا کہ تم لوگ وہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو اور تم کیوں مسلمانوں کی حمایت میں مضمون نہیں لکھتے یا ہندوؤں کے غلط پروپیگنڈا کی تردید نہیں کرتے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو سب کچھ کرتے ہیں اور مضامین بھی لکھتے ہیں لیکن یہاں کے اخبارات ہمارے مضامین چھاپتے نہیں۔ پس عام طور پر انگلستان کے اخبارات مسلمانوں کے خلاف اور ہندوؤں کے حق میں مضامین چھاپتے رہتے ہیں اور ہمیشہ انہی کی تائید کرتے ہیں سوائے اس کے کہ کسی بڑے افسر نے تائید میں کوئی مضمون لکھا تو اسے چھاپ دیا مگر شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اِس وقت انگلستان کے لوگوں کے مدنظر کوئی مصلحت ہے یا حکومت کی طرف سے انہیں ایسا کرنے کے لئے کوئی اشارہ ہے بہرحال وہ جو آواز اُٹھاتے ہیں مسلمانوں کے خلاف اُٹھاتے ہیں۔ وہ لوگ چونکہ سیاسی ہیں اس لئے وہ اپنی حکومت سے حتّی الوسع تعاون کرتے ہیں یہاں کے اخباروں والے تو چونکہ سمجھتے ہیں کہ حکومت غیر ملکی ہے اس لئے اگر حکومت کے منشاء کے خلاف بھی کوئی قدم اُٹھایا تو کوئی بُری بات نہیں ہے

مگر وہاں کی حکومت چونکہ غیر ملکی نہیں بلکہ ان کی اپنی ہے اس لئے وہ سیاست کے ماتحت حکومت کے ساتھ حتّی الامکان تعاون سے کام لیتے ہیں۔ چنانچہ جب میں ولایت گیا تو ہمارے وہاں جانے پر تمام انگریزی اخبارات نے بڑے لمبے چوڑے مضامین لکھے اور قریباً تمام اخبارات نے ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ گویا وہ ہمیں خوش کرنا چاہتے تھے۔ ابھی میں وہاں ہی تھا کہ مجھے خبر پہنچی کہ امان اللہ خاں والیٔ کابل نے ہمارے مبلغ مولوی نعمت اللہ صاحب کو سنگسار کر دیا ہے ہم نے وہاں جلسہ کیا اور بڑے ریزولیوشن پاس کئے اور اخبارات کو بھجوائے لیکن ہم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہی اخبارات جنہوں نے ہمارے جانے پر بڑے لمبے چوڑے مضامین لکھے تھے اور کئی دن تک صفحوں کے صفحے سیاہ کرتے رہے انہوں نے سوائے اِس کے کہ اپنے اخباروں کے کسی گوشے میں اس خبر کو جگہ دے دی نمایاں طور پر کسی نے بھی شائع نہ کیا۔ ہمیں اس بات پر سخت تعجب ہوا اور ہم نے مختلف اخبار والوں کے پاس اپنا آدمی بھیجا تو انہوں نے آگے سے یہ بہانہ کر کے ٹال دیا کہ چونکہ آجکل سیاسی معاملات بہت زیادہ ہیں اور ہمیں ان پر مضامین شائع کرنے پڑتے ہیں اور چونکہ پبلک کو ان سیاسی مسائل سے زیادہ دلچسپی ہے اس لئے افسوس ہے کہ ہم اس خبر کو نمایاں طور پر شائع نہیں کر سکے مگر ایک دو اخبارات ایسے بھی تھے جن کا تعلق ہمارے ساتھ دوستانہ تھا انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہمیں تو گورنمنٹ کی طرف سے اِس قسم کا اشارہ پہنچا ہے کہ یہ خبر شائع نہ کی جائے کیونکہ اس طرح افغانستان کی حکومت سے ہمارے تعلقات خراب ہو جائیں گے ہم یہ تو جانتے ہیں کہ ہم آزاد ہیں لیکن ملکی حکومت کے ساتھ تعاون کرنا بھی ضروری ہوتا ہے اس لئے ہم ایسا کرنے پر مجبور تھے۔ پس یہ بھی ممکن ہے کہ انگلستان کی حکومت نے ہی وہاں کے اخبارات کو مسلمانوں کے خلاف اور ہندوؤں کے حق میں آواز اُٹھانے کے لئے اشارہ کر دیا ہو۔ بہرحال اِس وقت انگلستان والوں کی رائے عامہ مسلمانوں کے خلاف ہے امریکہ جو پہلے ہندوؤں کی بہت زیادہ تائید کیا کرتا تھا بلکہ مسلمانوں کے حقوق کے متعلق کچھ کہنا سننا بھی گوارا نہ کرتا تھا اب اس کے اندر تھوڑی بہت تبدیلی ہو رہی ہے اور اب جو مضامین وہاں کے اخبارات میں چھپتے ہیں ان سے پتہ لگتا ہے کہ گو وہ مسلمانوں کے حق اور تائید میں آواز نہیں اُٹھاتا لیکن اتنا ضرور ہے کہ اس نے پہلے جیسی مخالفت چھوڑ دی ہے۔ اِدھر

ہندوستان کے اندر انگریز افسر عام طور پر ہندوؤں اور سکھوں کی تائید کرتے ہیں مسلمانوں کی نہیں کرتے۔ جہاں تک زیادتی اور ظلم کا سوال ہے اس کا دونوں قوموں نے ارتکاب کیا ہے کسی جگہ ہندوؤں نے اور کسی جگہ مسلمانوں نے جن جن جگہوں میں مسلمانوں نے ظلم کیا ہے ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے ظلم کیا ہے ہم بُرے فعل کو ضرور بُرا کہیں گے مگر ہم ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ جہاں مسلمانوں پر ظلم ہوا ہے اس کے خلاف بھی آواز اُٹھنی چاہئے نہ کہ اسی ظلم کے خلاف جو مسلمانوں نے کیا ہے۔ لاہور اور امرتسر میں جو فسادات ہوئے ہیں ان میں ہندوؤں نے مسلمانوں پر ظلم کیا ہے اور ہندوؤں نے ہی فسادات کی ابتداء بھی کی ہے۔ بے شک راولپنڈی اور ملتان وغیرہ میں مسلمانوں نے بھی ظلم کیا اور اگر انہوں نے ظلم کیا ہے تو ہماری جماعت یہ نہیں کہے گی کہ وہاں مسلمانوں نے ظلم نہیں کیا لیکن ہم یہ کہے بغیر بھی نہیں رہ سکتے کہ جہاں ہر وقت یہ شور مچایا جا رہا ہے کہ راولپنڈی اور ملتان میں مسلمانوں نے ظلم کیا وہاں یہ آواز بھی تو اُٹھنی چاہئے کہ لاہور اور امرتسر میں ہندوؤں نے ظلم کیا۔ امرتسر کے اندر مسلمان اقلیت میں ہیں اور ہندوؤں نے جی بھر کر ان پر مظالم توڑے ہیں اس میں شبہ نہیں کہ وہاں ہندوؤں کے مکانات بھی جلے ہیں اور ان کو نقصان پہنچا ہے لیکن ابتداء ہندوؤں ہی کی طرف سے ہوئی اور یہ تو نہیں ہوسکتا کہ ایک کا مکان جلے اور وہ دوسرے کا مکان نہ جلائے۔ جب ہندوؤں نے ظلم کرنے میں پہل کی تھی تو مسلمانوں میں جوش کا پیدا ہونا ایک طبعی امر تھا ہاں ملتان والوں کا یہ حق نہ تھا کہ وہ امرتسر کا بدلہ وہاں کے ہندوؤں سے لیتے۔ ان کو چاہئے تھا کہ وہ جتھے بنا کر امرتسر پہنچتے اور ظالموں کا مقابلہ کرتے۔ اسی طرح راولپنڈی والوں کا یہ حق نہ تھا کہ وہ امرتسر کا بدلہ وہاں کے ہندوؤں سے لیتے بلکہ ان کا حق یہ تھا کہ وہ جتھا در جتھا امرتسر میں پہنچ جاتے اور اپنے مسلمان بھائیوں کی امداد کرتے۔ جہاں تک امرتسر کے نقصانات کا سوال ہے اس میں شبہ نہیں کہ وہاں کے ہندوؤں کو بھی نقصان پہنچا ہے لیکن ہندوؤں نے بلیک مارکیٹ میں سے اربوں روپیہ کمایا ہوا تھا اگر ان کا دس کروڑ کا نقصان بھی ہوگیا تو کیا ہوا ایک فی صدی نقصان کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا مگر دوسری طرف امرتسر کے مسلمان بالکل تباہ ہوگئے ہیں ان کی ساری کی ساری جائدادیں فسادات کی نذر ہوگئی ہیں اور وہ نانِ شبینہ کے بھی محتاج ہو چکے

ہیں لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان کی تائید میں کوئی آواز نہیں اُٹھتی۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں طرف کو یکساں دیکھا جائے جہاں راولپنڈی اور ملتان کے ظلم کو دیکھا جائے وہاں لاہور اور امرتسر کے ظلم کو بھی دیکھا جائے، لاہور اور امرتسر کے مسلمانوں نے جو دفاعی اقدام کیا وہ حالات سے مجبور ہو کر کیا اور جب حالات اس قسم کے ہو جاتے ہیں تو یہ بات کسی کے اپنے بس میں نہیں رہتی مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ایک چیز کو تو انتہائی طور پر اُبھارا جارہا ہے لیکن دوسری کا ذکر بھی نہیں کیا جاتا اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ خاص طور پر رعایت سے کام لیا جارہا ہے۔ جو اُٹھتا ہے وہ کہتا ہے نواکھلی کے مظالم کو دیکھو، راولپنڈی اور ملتان کے مظالم کو دیکھو مگر یہ کوئی بھی نہیں کہتا کہ بمبئی، بہار، گڑھ مکتیسر، احمد آباد، امرتسر اور لاہور کے مظالم کو بھی دیکھو۔ تمام اخبارات راولپنڈی اور ملتان کا ذکر الاپتے ہیں مگر انصاف کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ اس طرف کا ذکر نہیں کرتے جس سے ان کے اپنے گھر پر زد پڑتی ہے۔ کانگرس کے اخبارات تو ایسا کریں گے ہی کیونکہ وہ ایسا کرنے پر مجبور ہیں لیکن دوسرے اخبارات کا بھی یہی وطیرہ ہے یہ تمام چیزیں ایسی ہیں جو مسلمانوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں اور وہ مسلمانوں کو اِس خطرہ اور مصیبت سے آگاہ کر رہی ہیں جو ان پر آنے والا ہے مگر مسلمان ہیں کہ خواب خرگوش سے بیدار ہونے کا نام ہی نہیں لیتے۔ زمانہ ان کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگا رہا ہے لیکن وہ جاگنے کا نام نہیں لیتے، مصائب کے سیاہ بادل اُمڈے چلے آتے ہیں لیکن مسلمان اپنی آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں، مخالفت کے طوفان ان کے سفینے پر بار بار تباہ کر دینے والی لہریں اُچھالتے ہیں لیکن وہ ابھی تک یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ یہ سب کچھ خواب ہے اور باقی تمام باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ دعوے پر دعوے کرتے چلے جاتے ہیں کہ ہم ایک ایک انچ کے لئے یوں کر دیں گے اور ہم یہ کر کے دکھا دیں گے لیکن ان کا عملی پہلو اتنا کمزور ہے کہ اس کو دیکھ کر کوئی عقلمند ان کے دعوؤں کو لفاظی سے زیادہ وقعت نہیں دے سکتا۔ جہاں وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ایک ایک انچ کے لئے اپنی جانیں لڑا دیں گے وہاں وہ یہ بھی شور مچاتے ہیں کہ فلاں D.S.P یا S.P یا فلاں تھانیدار کو بدل دیا جائے۔ گویا ایک طرف تو ان کے دعوے اتنے بلند ہیں کہ سننے والا یہ اندازہ لگاتا ہے کہ شاید یہی لوگ اپنے علاقہ کے کرتا دھرتا ہیں اور دوسری طرف وہ تھانیداروں کی تبدیلی کے لئے شور

مچاتے ہیں۔ وہ اپنے دعووں کی کامیابی کی ایک جھوٹی امید لگائے بیٹھے ہیں اور جب انہیں سمجھایا جاتا ہے کہ اِس وقت مسلمانوں کو سخت خطرہ درپیش ہے تو کہیں گے نہ نہ نہ اِس بات کا نام نہ لینا ورنہ مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور ان کی دلیری جاتی رہے گی۔

میں نے ایک مسلمان لیڈر کو کہا کہ آپ مسلمانوں کو سمجھائیں کہ کسی قسم کی زیادتی نہ کریں بلکہ وہ جہاں تک ہو سکے مظلوم بننے کی کوشش کریں تا کہ دنیا کی آواز ان کے حق میں اُٹھے لیکن انہوں نے کہا نہ نہ یہ نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر مسلمان زیادہ مارے گئے تو باقی لوگ ہمت ہار جائیں گے۔ غرض میری اس نصیحت کے جواب میں کہ کچھ دن مرو اور صبر کرو تا کہ ساری دنیا تمہاری تائید کرے انہوں نے مجبوری ظاہر کی کہ اس طرح کرنے سے مسلمانوں کے دل بیٹھ جائیں گے۔ یہ سب باتیں ظاہر کر رہی ہیں کہ مسلمانوں نے ابھی تک حقیقی تیاری نہیں کی اگر انہوں نے کوئی تیاری کی ہوتی تو ان کے اندر قربانی کے جذبات ہوتے اور اعلیٰ درجہ کی تنظیم ہوتی۔ مثلاً امرتسر میں جب ہندوؤں اور سکھوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا تھا تو ان بے چاروں کو سوائے اس کے اور کوئی صورت نظر نہ آئی کہ وہ حملے کا جواب دیتے اور یہ ان کا حق بھی تھا مگر سوال تو یہ ہے کہ باقی پنجاب کے مسلمانوں نے کیا تیاری کی۔ ان کے لئے یہ بات ہرگز جائز نہ تھی کہ وہ امرتسر کا بدلہ راولپنڈی یا ملتان کے ہندوؤں سے لیتے۔ ظلم کرنے والے تو امرتسر میں بیٹھے تھے راولپنڈی یا ملتان کے ہندوؤں کا اس میں کیا حصہ تھا ان کا یہ فعل سراسر ظلم ہے اور شریعت اسلام نے کسی صورت میں بھی اس کو جائز قرار نہیں دیا۔ تیاری کا مطلب تو یہ تھا کہ وہ امرتسر کے مصیبت زدگان کی امداد کرتے ان کا ایک کروڑ کے قریب نقصان ہوا تھا مسلمانوں کو چاہئے تھا کہ لوگوں میں چندہ کی تحریک کرتے اور ایک کروڑ نہ سہی کم از کم پچیس لاکھ روپیہ جمع کر کے ان کو وقتی گزارہ کے لئے دے دیا جاتا۔ اگر ایسا کیا جاتا تو ان کے حوصلے بلند ہو جاتے اور ان کو دلیری ہوتی کہ ہمارے بھی بھائی ہیں اور ہمارے بھی خیر خواہ موجود ہیں جو ہم پر مصیبت آنے کے وقت ہماری امداد کر سکتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ اس کام کی طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی نہ ہی ان کے لئے چندہ جمع کرنے کے لئے کوئی جدوجہد کی گئی ہے۔ بروقت امداد ایک ایسی چیز ہے جو ایک طرف حوصلے کو بلند کرتی ہے اور دوسری طرف محبت کے جذبات کو اُبھارتی ہے۔

میں نے کئی دفعہ ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ عرب کی مشہور شاعرہ خنساء کے باپ نے اُس کی شادی ایک رئیس کے لڑکے سے کر دی۔ وہ لڑکا نہایت عیاش تھا اور اس کے اندر ہر قسم کے بُرے افعال کی عادات پائی جاتی تھیں۔ چنانچہ اس لڑکے نے شراب اور جوئے میں اپنے باپ کی ساری جائیداد تباہ کر دی اور جو کچھ بیوی کا مال واسباب تھا وہ بھی اُڑا دیا اور آخر جب وہ سب کچھ پھونک چکا تو ایک دن نہایت افسردہ ہو کر بیٹھا ہوا تھا کہ بیوی نے پوچھا کیا بات ہے تم اتنے دلگیر کیوں ہو؟ اس نے کہا بات یہ ہے کہ میں سب جائداد تباہ کر چکا ہوں اور اِس وقت ہمارے پاس کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ بیوی نے اسے تسلی دی اور کہا یہ کوئی مایوسی کی بات نہیں میرا بھائی بڑا امیر کبیر ہے اور جب تک وہ زندہ ہے مجھے اُس کی امداد پر پورا بھروسہ ہے اس کی موجودگی میں ہم کیوں اتنا غم کریں۔ چلو اُس کے پاس چلتے ہیں وہ ہماری اس حالت کو دیکھ کر ضرور ہماری امداد کرے گا۔ چنانچہ وہ اسے ساتھ لے کر اپنے بھائی کے پاس گئی اور بجائے اس کے کہ وہ اپنے بہنوئی کو کسی قسم کی ملامت کرتا کہ تم نے اپنی جائداد کو تباہ کر دیا ہے یا تم نالائق ہو اُس نے بڑی شان وشوکت کے ساتھ اُن کا استقبال کیا اور اپنے دوستوں اور بڑے بڑے رؤساء کو اپنی بہن اور بہنوئی کی آمد کی خوشی میں دعوتیں دی اور متواتر چالیس دن تک دعوتوں کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ چالیس دن کے بعد اس نے چند رؤساء کو بلایا اور کہا دیکھو! میری بہن اِس وقت غربت کی حالت میں ہے اس لئے میری جائداد میں اس کا حق ہے (حالانکہ باپ کی جائداد سے وہ اپنا الگ حصہ لے چکی تھی) اس لئے آپ انصاف کے ساتھ میری جائداد کو آدھا آدھا تقسیم کر دیں آدھا مجھے دے دیں اور آدھا میری بہن کو دے دیں کیونکہ یہ بات انصاف کے خلاف ہے کہ میری بہن غریب ہو جائے اور اس کی مدد نہ کروں۔ اُس زمانہ میں روپے تو ہوتے نہ تھے بھیڑیں بکریاں اونٹنیاں ہوتی تھیں یا تھوڑا بہت سونا چاندی ہوتا تھا اور ایک ایک امیر آدمی کے پاس سینکڑوں اور ہزاروں جانور ہوتے تھے۔ رؤساء نے اس کے مال کا اندازہ لگا کر اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور بہن اپنا آدھا حصہ لے کر اپنے خاوند کے ساتھ واپس گھر آئی۔ کچھ دنوں تک تو اُس کا خاوند بدعادات سے رُکا رہا لیکن بدعادتیں پھر عَود آئیں اور اس نے پھر وہی شراب اور جُوئے کا شُغل شروع کر دیا چنانچہ وہ مال جو اس کی بیوی اپنے بھائی سے

لائی تھی چند دنوں میں ختم ہو گیا اور پھر وہ کوڑی کوڑی کا محتاج ہو گیا ایک دن پھر اسی طرح وہ مغموم شکل بنائے بیٹھا تھا کہ بیوی نے پوچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگا سارا مال ختم ہو گیا ہے اب کیسے گذر ہو گی۔ خنساء نے کہا جب تک میرا بھائی زندہ ہے تمہیں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں وہ پھر اسے ساتھ لیکر اپنے بھائی کے پاس پہنچی اور بھائی نے اِس دفعہ پہلے کی نسبت بھی زیادہ شاندار استقبال کیا اور زیادہ شاندار دعوتیں کیں اور چالیس دن دعوتیں کرنے کے بعد اس نے رؤساء کو بلایا اور کہا میری دولت کو ہم دونوں بھائی بہن میں برابر برابر تقسیم کر دو۔ وہ پھر آدھی دولت بھائی سے لیکر اپنے خاوند کے ساتھ گھر واپس آئی کچھ عرصہ تک تو خاوند نے شراب اور جُوئے سے پرہیز کیا۔ لیکن شراب اور جُوئے کی لت ایسی بُری ہوتی ہے کہ اس سے چھٹکارا پانا بہت مشکل ہوتا ہے چنانچہ اُس نے پھر وہی کام شروع کر دیئے اور اس دولت کو بھی اُڑا دیا۔ اس دفعہ اس کے دل میں سخت ندامت پیدا ہوئی کہ اب تو میں خودکشی کر لوں گا لیکن کچھ مانگنے کے لئے نہیں جاؤں گا۔ خنساء کو جب اپنے خاوند کا یہ ارادہ معلوم ہوا تو اس نے کہا میرا بھائی زندہ ہے تو تمہیں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس نے کہا کہ اب مجھے تمہارے بھائی کے پاس جاتے شرم محسوس ہوتی ہے مگر وہ اسے مجبور کر کے پھر اپنے بھائی کے پاس لے گئی اور بھائی نے پہلے سے بھی زیادہ شاندار استقبال کیا اور کوئی کسر اُن کی خدمت میں اُٹھا نہ رکھی۔ اس نے چالیس دن کے بعد پھر رؤساء کو بلایا اور کہا میری بہن پر پھر غربت کی حالت ہے اس لئے میری جائداد کو تقسیم کر کے نصف اسے دے دو۔ اس دفعہ اس کی بیوی جو یہ بات سن رہی تھی اس نے اُسے اندر بلایا اور کہا کچھ خدا کا خوف کرو آخر تمہارے بھی بیوی بچے ہیں ان کا کیا بنے گا وہ تو جواری اور شرابی ہے کیا تم اسی طرح اپنی تمام دولت لُٹا دو گے؟ خاوند نے کہا تم خاموش رہو میں اگر مر گیا تو تم اور خاوند کر لو گی لیکن میری بہن ہی ہے جو مجھے ساری عمر روئے گی۔ غرض بھائی نے پھر اپنی آدھی دولت بہن کو دے کر رُخصت کر دیا۔ خنساء گھر پہنچیں تو کچھ عرصہ تک خاوند نے صبر کئے رکھا لیکن اپنی بد عادتوں سے مجبور ہو کر پھر وہی چال اختیار کی اور ساری دولت اُڑا دی۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ مر گیا اور اُس کی وفات کے کچھ عرصہ بعد خنساء کا بھائی بھی مر گیا اس محبت کرنے والے بھائی کی موت نے خنساء کے دل پر ایسا گہرا زخم لگایا کہ اس نے اپنے

بھائی کی یاد میں مرثیے کہنے شروع کر دیئے اور درد اور محبت کی وجہ سے اس کے خیالات ایسا رنگ اختیار کر گئے کہ عرب کے چوٹی کے شاعروں میں شمار ہونے لگی اور اس نے بھائی کی محبت کے جوش میں اتنے اعلیٰ پایہ کے مرثیے کہے کہ آج تک عرب کے تمام شاعروں میں اعلیٰ درجہ کی شاعرہ شمار کی جاتی ہے۔ اس کے شعروں میں اتنا درد پایا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے جب اس کے شعر سُنے تو آپ رو پڑے اور کہنے لگے خنساء اگر مجھے بھی شعر کہنے آتے تو میں بھی اپنے بھائی کا ایسا ہی مرثیہ کہتا۔ خنساء نے کہا آپ کیسی باتیں کرتے ہیں آپ کا بھائی خدا تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو کر مرا ہے اور اس نے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا ہے خدا کی قسم! اگر میرا بھائی شہادت پاتا تو میں کبھی اس کا مرثیہ نہ پڑھتی اور کبھی اُس کی وفات پر افسوس کا اظہار نہ کرتی۔ اس پر حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔ اب دیکھو بھائی کی قربانی نے کتنا درد پیدا کر دیا تھا کہ ایک عامی عورت کو عظیم الشان شاعرہ بنا دیا اور ایسا کہ آج چودہ سَو سال گذرنے کے بعد بھی وہ عرب کی چوٹی کے شاعروں میں شمار کی جاتی ہے۔

پس مسلمان بجائے اس کے کہ امرتسر کے ہندوؤں اور سکھوں کا بدلہ راولپنڈی اور ملتان کے ہندوؤں سکھوں سے لیتے انہیں چاہئے تھا کہ وہ اپنے مال لا کر امرتسر کے مظلوم اور مصیبت زدہ مسلمانوں کے سامنے پیش کر دیتے وہ خود تنگی سے گذر راہ کر لیتے اور زیادہ سے زیادہ روپیہ جمع کر کے ان کی مدد کرتے اگر وہ ایسا کرتے تو امرتسر کے مسلمانوں کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی اور ان کو اپنے بھائیوں سے محبت ہوتی اور وہ یہ یقین کر لیتے کہ بے شک ہمیں تکلیف پہنچی ہے لیکن ہماری تکلیف میں حصہ لینے والے ہمارے بھائی موجود ہیں اور وہ اس بات کو محسوس کرتے کہ بے شک ہمیں دُکھ پہنچا ہے مگر ہمارے دکھ بانٹنے والے ہمارے بھائی موجود ہیں ان کے اندر دلیری، جرأت اور حوصلہ پیدا ہو جاتا مگر افسوس کہ مسلمانوں نے بجائے اس احسن اقدام کے راولپنڈی اور ملتان کے ناکردہ گناہ ہندوؤں اور سکھوں سے امرتسر کا بدلہ لینا شروع کر دیا جو سراسر ناجائز تھا اور وہ اپنے فاقہ مست بھائیوں کو بالکل بھول گئے۔ ان کو یہ احساس تک نہ آیا کہ ہمارے مظلوم بھائی نانِ شبینہ کے محتاج ہو چکے ہیں، انہیں ذرا خیال نہ آیا کہ ہمارے مصیبت زدہ بھائی ہمارے ہاتھوں کی طرف دیکھ رہے ہیں، انہوں نے اپنے اس

فرض کو بالکل نہ پہچانا کہ یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کرنا ان کے لئے ضروری ہے۔ وہ بھول گئے اس بات کو کہ ہمارے بیسیوں بھائی بے یار و مددگار زخموں سے نڈھال پڑے ہیں، انہوں نے نظر انداز کر دیا اس بات کو کہ ان کے سینکڑوں بھائی اپنے جلے ہوئے اور بے چھت مکانوں کے اندر درد و کرب سے کراہ رہے ہیں اور وہ نہ سوچ سکے اس بات کو کہ ان کے سینکڑوں بھائی دشمن کے ظلم و استبداد کا شکار ہونے کی وجہ سے ان کی امداد کی امیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے صحیح اور سیدھے راستہ پر گامزن ہونے کی بجائے ٹیڑھی راہ کو اختیار کیا اور ایک کے ظلم کا بدلہ دوسرے ناکردہ گناہ سے لینا چاہا۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امرتسر کے ستم رسیدہ مسلمان یہ سمجھنے لگ گئے کہ ہمارا کوئی نہیں ہے اگر کوئی ہوتا تو ہماری خبر گیری نہ کرتا اور ہماری دادرسی نہ کرتا۔

پچھلے دنوں مجھے ایک آدمی نے ایک واقعہ سنایا کہ امرتسر سے بھاگ کر آئے ہوئے دو مسلمانوں نے کسی سے کہا کہ ہم مرنے سے نہیں ڈرتے ہاں ہم اس بات سے ضرور ڈرتے ہیں کہ اگر ہم مارے گئے تو ہمارے بیوی بچے تباہ ہو جائیں گے اور ان کی رکھوالی کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ اگر پنجاب کے مسلمان امرتسر کے مظلوموں کی مدد کو پہنچتے تو ان کو یہ خیال کبھی نہ آ سکتا تھا کہ ہمارے مرنے کے بعد ہمارے بیوی بچوں کا کیا ہوگا۔ مسلمانوں کو چاہئے تھا کہ وہ بجائے امرتسر کا بدلہ کسی اور جگہ کے ہندوؤں سے لینے کے جتھا در جتھا امرتسر پہنچتے اور اپنے بھائیوں کی خدمت کرتے اور ان کے مالی نقصان کو پورا کرنے کی کوشش کرتے اور انہیں تسلی دیتے تا کہ ان کے اندر قربانی کا جوش اور بھی زیادہ ہوتا اور وہ دشمن کے مقابلہ میں زیادہ دلیر اور زیادہ بہادر بن جاتے اور دنیا میں قدر ہمیشہ اُسی کی ہوتی ہے جو دشمن کا دلیری اور جرأت کے ساتھ مقابلہ کرتا ہوا مارا جائے۔ بزدلی سے مرنے والے پر لوگ لعنت بھیجتے ہیں اگر مسلمان راولپنڈی اور ملتان میں امرتسر کا بدلہ لینے کی بجائے خود چل کر امرتسر پہنچتے اور جتھوں کی صورت میں آتے، سیالکوٹ سے آتے، گجرات سے آتے، جہلم سے آتے، لائل پور سے آتے اور دوسرے تمام اضلاع سے جوق در جوق امرتسر میں پہنچ جاتے اور کہتے جنہوں نے ہمارے بھائیوں پر ظلم کیا ہے وہ آئیں اور ہمیں بھی ماریں ساتھ ہی وہ اپنے بھائیوں کی اپنے مالوں سے امداد کرتے اور ان سے کہتے یہ

ہم تم پر احسان نہیں کر رہے بلکہ چونکہ تم نے ہماری قومیت میں شریک ہونے کی وجہ سے دُکھ اُٹھایا ہے اس لئے ہم تمہاری مدد کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اِس قسم کا نظارہ پیش کرنے سے ایک طرف تو مسلمانوں کے حوصلے بڑھ جاتے اور دوسری طرف دشمن مرعوب ہو جاتا اور وہ سمجھ لیتا کہ اگر امرتسر کے مسلمانوں پر کوئی ظلم ہوا تو پنجاب کے لاکھوں کروڑوں مسلمان اس کا بدلہ لینے کا عزم کر چکے ہیں دشمن کے حوصلہ پست ہو جاتے اور وہ کبھی دوسری بار مسلمانوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھ سکتا لیکن نہایت افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں نے اِس طرف تو کچھ بھی دھیان نہ کیا اور صرف بڑیں ہانکنی شروع کر دیں کہ ہم مٹا کر رکھ دیں گے یا ہم تباہ کر کے رکھ دیں گے۔ جیسے آجکل کے گداگر فقیر جہلاء کے سامنے دعوئے کرتے پھرتے ہیں کہ ہم چودہ طبقوں کو اُلٹا کر رکھ دیں گے حالانکہ ان کی اپنی حالت یہ ہوتی ہے کہ سر سے ننگے، پاؤں سے ننگے، روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کیلئے در بدر مارے مارے پھرتے ہیں مگر دعویٰ وہ یہ کرتے ہیں کہ ہم زمین و آسمان کو درہم برہم کر سکتے ہیں اگر وہ اتنے ہی اپنے دعوؤں میں سچے ہوتے تو در بدر کی خاک کیوں چھانتے پھرتے۔

ایک دوست جو مریض تھے میری ملاقات کے لئے آئے اور انہوں نے مجھے بتایا کہ ہمارے ہاں ایک مولوی صاحب ہیں جو بڑے عالم فاضل ہیں میرے باپ نے ان کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ اگر آپ حج کے لئے گئے تو میں آپ کو پانچ سَو روپیہ دوں گا مگر جب وہ حج کو گئے تو والد صاحب نے کسی وجہ سے وعدہ پورا نہ کیا اور وہ مولوی صاحب سخت ناراض ہو گئے اس کے بعد والد صاحب نے میرے لئے تجارت کا انتظام کیا جب میرے پاس مال ہوا تو میں نے اپنے باپ کے وعدے کو پورا کرنے کے لئے مولوی صاحب کو پانچ سَو روپے دیتے ہوئے کہا لیجئے میرے والد صاحب تو اس وعدہ کو پورا نہ کر سکے تھے اب میں آپ کو وہ روپیہ دیتا ہوں۔ مولوی صاحب نے روپے لے لئے اور صدری میں رکھے جس میں اُن کی ایک گھڑی بھی تھی مگر اتفاق ایسا ہوا کہ وہ صدری چوری ہوگئی اور نہ صرف میرا دیا ہوا پانچ سَو روپیہ ضائع چلا گیا بلکہ ان کا اپنا کچھ روپیہ اور گھڑی بھی چوری ہوگئی۔ اس پر مولوی صاحب نے مجھے کہا تم نے کیسا منحوس روپیہ دیا تھا کہ وہ میرا بھی کچھ روپیہ ساتھ لے کر جاتا رہا۔ اب ان مولوی صاحب نے خدا جانے کیا

وظیفہ پڑھ کر مجھ پر پھونک دیا ہے کہ میں ایک مرض میں مبتلا ہو گیا ہوں ۔ یہ سن کر میں نے کہا مولوی صاحب نے اگر کسی قسم کا وظیفہ پڑھ کر آپ کو مریض بنا دیا ہے تو انہوں نے یہ کیوں نہ کیا کہ اُسی قسم کا وظیفہ پڑھ کر چور کو پکڑ لیتے اور روپیہ اُس سے واپس لے لیتے ۔ مولوی صاحب کو انسانی زندگی میں جو اتنی قیمتی ہے کہ لاکھوں روپیہ سے بھی نہیں مل سکتی تغیر پیدا کرنے والا وظیفہ آتا تھا تو ان کے لئے یہ کونسا مشکل کام تھا کہ وہ چور کو بھی پکڑواتے اس سے اپنا روپیہ بھی لے لیتے اور ساتھ ہی کچھ ہرجانہ بھی لیتے ۔ اسی طرح انہوں نے اور بھی اپنے بعض لطائف سنائے جو الف لیلیٰ کے قصوں کی طرح تھے ۔ یہ سب خیالی باتیں ہیں ۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر مسلمان اپنے اندر ایک دوسرے کی ہمدردی کا جذبہ پیدا کرتے اور جہاں کہیں کسی مسلمان کو دُکھ پہنچتا وہ جتھوں کی صورت میں اس کے پاس پہنچتے ، اس کے نقصان کی تلافی کرتے اور اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے تو دشمن کبھی بھی ان کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھ سکتا مگر افسوس کہ وہ اپنی اصلاح کی طرف سے بالکل غافل بیٹھے ہیں اور دعووں پر دعوے کرتے جارہے ہیں کہ ہم یوں کر دیں گے اور یوں کر دیں گے اور ان کے یہ دعوے بالکل اسی قسم کے ہیں جیسے جادو یا ٹونا کرنے والوں کے ہوتے ہیں ۔ وہ اس راستہ کو بھول چکے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے تجویز کیا تھا یعنی خوف اور رجاء کے درمیان والا راستہ ۔ وہ ایک ہی راستے پر چل رہے ہیں یعنی اُمید کے راستہ پر اور اس کو بھی عبور کرنے کی کوشش میں ہیں یہ تو حالت ہے اُمید کی ۔

اب دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مسلمان ایسے ہیں جن پر کُلّی طور پر خوف کی حالت طاری ہے اور وہ امید کے راستہ سے بھٹک چکے ہیں وہ لوگ کانگرس کے سامنے ہاتھ جوڑ رہے ہیں اس ڈر سے کہ اگر کانگرس ہم سے ناراض ہوگئی تو خدا جانے ہم پر کون سی آفت ٹوٹ پڑے گی اور کانگرس کی مخالفت سے ہمیں کیا کیا نقصانات برداشت کرنے پڑیں گے ۔ پس ایک طبقہ مسلمانوں کا ایسا ہے جو غلط خوف کی طرف جھکا ہوا ہے اور دوسرا طبقہ ایسا ہے جو غلط امیدیں لگائے بیٹھا ہے حالانکہ مومن کیلئے اللہ تعالیٰ نے جو راستہ تجویز کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس پر بہ یک وقت خوف و رجاء کی حالت طاری رہے ۔ ایک طرف اس کے دل میں دشمن کی طرف سے یہ

خدشہ رہے کہ کب وہ اچانک اس پر حملہ کر دیتا ہے اور وہ اس کے لئے تدبیریں سوچتا رہے، دوسری طرف وہ اپنی طرف سے تمام تدبیریں کر چکنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل کا منتظر ہو جائے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ سے ہجرت کی تو رات کے وقت کی اور آپ دشمنوں کی نظروں سے بالکل چھپ کر نکلے حالانکہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے آپ کو دشمن کے منصوبوں سے بچانے کے بے شمار وعدے تھے اور آپ کو ان وعدوں پر یقین کامل تھا مگر آپ نے اس یقین کے ہوتے ہوئے بھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے ضرور دشمنوں سے محفوظ و مصئون رکھے گا حتّٰی الامکان دشمن کی نظروں سے بچ کر نکلنے کی کوشش کی۔ یہ نہیں کہا کہ آجاؤ مکے والو! مجھے پکڑلو۔ مگر اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہوسکتا کہ آپ ڈرتے تھے بلکہ آپ نے صرف احتیاطی پہلو اختیار کیا تھا ورنہ آپ کی دلیری کا یہ عالَم تھا کہ جب آپ اپنے رفیق حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ غارِ ثور کے اندر تھے تو دشمن عین غار کے منہ پر پہنچ گیا اور اس کے ساتھ کھوجی بھی تھے جو پاؤں کے نشانوں کا کھوج نکالتے وہاں تک پہنچے تھے مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت کے ماتحت جب آپ غار کے اندر داخل ہو گئے تو ایک مکڑی نے غار کے منہ پر جھٹ جالا تن دیا۔ دشمنوں نے یہ دیکھ کر کہ غار کے منہ پر تو مکڑی کا جالا ہے اس میں سے کسی آدمی کے گذرنے کا امکان نہیں ہوسکتا یہ خیال کر لیا کہ آپ کسی اور طرف چلے گئے ہیں حالانکہ مکڑی دو یا چار منٹ کے اندر نہایت تیزی کے ساتھ اپنا جالا تیار کر لیتی ہے اور میں نے خود مکڑی کو جالا تنتے دیکھا ہے مگر چونکہ خدا تعالیٰ پردہ ڈالنا چاہتا تھا اس لئے دشمن کی سمجھ میں ہی یہ بات نہ آسکی اور انہوں نے کہہ دیا کہ یا تو وہ غار کے اندر ہیں یا آسمان پر چلے گئے ہیں کیونکہ پاؤں کے نشانات غار تک پہنچ کر ختم ہو جاتے تھے اُس وقت جب کہ دشمن یہ کہہ رہے تھے کہ یا تو محمد ﷺ اور اس کا ساتھی غار کے اندر ہیں یا آسمان پر چلے گئے ہیں حضرت ابوبکرؓ اندر ان کی باتیں سُن رہے تھے ان کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور آہستہ سے آپ کی خدمت میں عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! دشمن تو سر پر آن پہنچا ہے۔[1] اس واقعہ کو قرآن کریم نے بھی بیان کیا آپ نے فرمایا۔ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا [2] ابوبکرؓ ڈرتے کیوں ہو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ پس ایک طرف تو آپ نے اتنی احتیاط کی کہ

آپ مکہ سے چُھپ کر نکلے اور دوسری طرف آپ کی اُمید کا یہ عالم تھا کہ باوجود اس کے کہ دشمن ہتھیاروں سے مسلح تھا اور اگر وہ لوگ ذرا بھی جھک کر غار کے اندر دیکھتے تو وہ آپ کو دیکھ سکتے تھے کیونکہ غار ثور کا منہ بڑا چوڑا ہے اور وہ تین گز کے قریب ہے آپ نہایت دلیری اور حوصلہ کے ساتھ فرماتے ہیں ابوبکر! ڈرتے کیوں ہو اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا جب خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے تو ہمیں کس بات کا ڈر ہے۔ اِدھر حضرت ابوبکرؓ کے اخلاص کی یہ حالت تھی کہ انہوں نے عرض کیا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میں اپنے لئے تو نہیں ڈر رہا میں تو اس لئے ڈر رہا ہوں کہ اگر آپ خدانخواستہ مارے گئے تو خدا تعالیٰ کا دین تباہ ہو جائے گا۔

اسی طرح جب مدینہ میں منافقوں کی شرارت حد سے بڑھ گئی تو آپ کئی رات متواتر نہ سوئے جب آپ کی یہ تکلیف بڑھ گئی تو آپ نے ایک مجلس میں فرمایا کاش! خدا تعالیٰ کسی مخلص مسلمان کے دل میں ڈالتا کہ وہ میرا پہرہ دیتا اور میں سو لیتا۔ آپ کو یہ بات کہے دو تین منٹ ہی ہوئے تھے کہ آپ کو ہتھیاروں کے چھنکار کی آواز آئی۔ آپ نے فرمایا کون ہے؟ آنے والے نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میں فلاں ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ ہتھیار کیسے ہیں؟ اس نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ کا پہرہ دوں آپ آرام فرمائیں[۳] ایک طرف تو آپ کی احتیاط کی یہ حالت تھی مگر دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ جب رومیوں کے حملہ کا ڈر تھا اور مدینہ میں یہ خبر عام تھی کہ آج یا کل ہی حملہ ہونے والا ہے اس لئے لوگوں کو نیند بھی نہ آتی تھی۔ ایک رات جب کچھ شور سا ہوا اور صحابہ شور سن کر جمع ہونے لگے اور مسجد میں بیٹھ گئے اِس انتظار میں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے ہوں گے آپ کو خبر کی جائے کہ اِس قسم کا شور ہوا ہے وہ اس قسم کی باتیں کر ہی رہے تھے کہ باہر سے ایک سوار آتا دکھائی دیا۔ جب وہ سوار ان کے پاس پہنچا تو وہ یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ وہ آنے والا سوار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ نے آتے ہی فرمایا خطرہ کی کوئی بات نہیں میں دیکھ کر آیا ہوں۔ آپ جس گھوڑے پر سوار ہو کر گئے تھے وہ گھوڑا بھی کسی دوسرے کا تھا آپ نے جب شور سنا تو پہلے جا کر گھوڑا لیا اور پھر پیشتر اس کے کہ سارے صحابہ جمع ہو جاتے آپ میلوں میل تک دیکھ کر واپس بھی تشریف لے آئے۔[۴] اب دیکھو ایک طرف تو خوف کی وہ حالت تھی اور ایک طرف امید کی یہ

حالت تھی۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ غزوہ حنین میں جب مسلمانوں کا لشکر پیچھے ہٹا کیونکہ دشمن کے تیروں کے حملہ نے شدت اختیار کر لی تھی آپ صرف چند صحابہؓ کو ساتھ لے کر دشمن کی طرف آگے بڑھے حضرت ابو بکرؓ نے یہ دیکھ کر کہ دشمن کا حملہ شدید ہے آپ کو روکنا چاہا اور آگے بڑھ کر آپ کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی مگر آپ نے فرمایا چھوڑ دو میرے گھوڑے کی باگ کو۔ اس کے بعد آپ یہ شعر پڑھتے ہوئے آگے بڑھے۔

اَنَـــا الـــنَّبِـــيُّ لَا كَـــذِب

اَنَـــا ابْـــنُ عَبْـــدِ الْـــمُـــطَّـــلِب [۵]

یعنی میں خدا تعالیٰ کا نبی ہوں اور جھوٹا نہیں ہوں اور میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔ آپ کا یہ فرمانا کہ میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں اِس کا یہ مطلب تھا کہ اِس وقت دشمن کا حملہ اِس قدر شدید ہے کہ دشمن کے چار ہزار تیرانداز تیروں کی بارش برسا رہے ہیں اِس حالت میں میرا آگے بڑھنا انسانیت کی شان سے بہت بلند اور بالا نظر آتا ہے اس سے کوئی دھوکا نہ کھائے اور یہ نہ سمجھے کہ مجھ میں خدائی طاقتیں ہیں میں تو عبد المطلب کا بیٹا ہی ہوں اور ایک بشر ہوں صرف اللہ تعالیٰ کی مدد میرے نبی ہونے کی وجہ سے میرے ساتھ ہے۔

جنگ بدر کے موقع پر صحابہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک اونچی جگہ بنا دی اور عرض کیا یَـارَسُـوْلَ اللّٰـه ﷺ آپ یہاں تشریف رکھیں۔ چنانچہ آپ وہیں بیٹھ گئے اور خدا تعالیٰ کے حضور نہایت عجز اور رقت سے دعائیں کرنے لگے۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰه ﷺ کیا اللہ تعالیٰ کے آپ کے ساتھ وعدے نہیں ہیں آپ نے فرمایا وعدے تو ہیں مگر وہ غنی بھی تو ہے اور مؤمن کا کام ہے کہ اس کی غناء کو کبھی نہ بھولے۔[۶]

پس آپ کو ایک طرف تو خدا تعالیٰ کے وعدوں پر پورا اور کامل یقین تھا اور دوسری طرف یہ سمجھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ غنی بھی ہے آپ کو خوف بھی تھا مگر اِس وقت ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ وہ احتیاط کی طرف سے کُلّی طور پر پہلو تہی کرتے ہوئے صرف امیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں مؤمن کو امید کی بھی اور

احتیاط کی بھی سخت ضرورت ہے مگر مسلمان کہتے ہیں دیکھا جائے گا۔ آجکل کے مسلمان دونوں حدود کے سر پر پہنچے ہوئے ہیں حالانکہ اصل طریق جو اِن کو اختیار کرنا چاہئے وہ یہ ہے کہ خوف اور امید کی درمیانی راہ تلاش کریں اور خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستوں اور محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تجویزوں پر عمل کریں۔ ایک طرف انہیں انتہا درجہ کی تنظیم کرنی چاہئے اور دوسری طرف خدا تعالیٰ پر کامل یقین رکھنا چاہئے کیونکہ مؤمن وہی ہوتا ہے جو ایک طرف تدبیر بھی کرتا ہے اور دوسری طرف تقدیر پر بھی ایمان رکھتا ہے جب یہ دونوں حالتیں اس کے اندر بہ یک وقت جمع ہو جاتی ہیں تو خدا تعالیٰ کے فضلوں کے دروازے اس پر کھل جاتے ہیں اور اس وقت خدا تعالیٰ کہتا ہے میں نے اپنے بندے کو دو حکم دیئے تھے اور میرے بندے نے دونوں حکم مانے ہیں میں نے اس کو تدبیر کرنے کا حکم دیا تھا اس پر اس نے عمل کیا ہے اور میں نے اس کو تقدیر پر ایمان لانے کو کہا تھا اس پر بھی اس نے عمل کیا ہے اس لئے اب میں نے بھی اپنے اوپر فرض کر لیا ہے کہ میں اپنے فرمانبردار بندے کی اعانت کروں اور اس کے دشمن کے منصوبوں کو خاک میں ملا کر رکھ دوں۔ اور اگر مسلمان ان باتوں پر عمل پیرا نہیں ہوں گے تو خدا تعالیٰ کہے گا تم نے اپنے نفس کا حکم ماناہے اگر تم میرے متبعین میں سے ہوتے تو کسی دوسرے کی بات کیوں مانتے اس لئے جاؤ میں تمہاری کوئی امداد نہیں کروں گا۔

(الفضل قادیان ۱۷؍جون ۱۹۴۷ء)

---

۱ بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب مناقب المهاجرين و فضلهم

۲ التوبة: ۴۰

۳ بخاری کتاب الجهاد باب الحراسة فی الغزو

۴ بخاری کتاب الادب باب حسن الخلق و السخاء (الخ)

۵ مسلم کتاب الجهاد باب غزوة حنين

۶ سیرت ابن هشام جلد۲ صفحہ ۹۷ ۲ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء